بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

نزولِ قرآن کی چودہ سو سالہ تقریب کے سلسلے میں ادارہ تحقیقاتِ اسلامی نے جو عالمی اسلامی کانفرنس بلائی تھی، اُس کے اجلاس دس فروری سے تیرہ فروری تک چار دن ہوئے۔ اس عالمی اسلامی اجتماع میں پاکستان کے علاوہ ان اٹھارہ ملکوں کے مندوبین نے شرکت فرمائی :۔ ایران عراق، سعودی عرب، ترکی، لبنان، شام، متحدہ عرب جمہوریہ، ٹیونس، سوویت یونین، مراکش، ملیشیا، سنگاپور، کویت، لیبیا، انڈونیشیا، فلپائن، فلسطین، نائیجیریا۔

کانفرنس کے ایک تو عام اجلاس ہوتے تھے، جن میں ہر شخص شریک ہو سکتا تھا۔ ان عام اجلاسوں میں چاروں دن کافی حاضری تھی۔ اور ہر نقطہ خیال کے لوگ ان میں آتے رہے۔ دوسرے اجلاس خصوصی کمیٹیوں کے تھے، جن میں صرف ماہرین شریک ہوئے۔ جنھوں نے بعض مخصوص مسائل پر بحث و تمحیص کی اور آپس میں تبادلۂ خیالات کیا۔ ان کمیٹیوں میں ایک طرف علماء کرام نے حصہ لیا، اور دوسری طرف وہ حضرات بھی ان بحثوں میں شریک ہوئے، جو جدید تعلیم پائے ہوئے ہیں۔ ایک کمیٹی کے سامنے موضوع بحث تھا عائلی قوانین۔ دوسری کمیٹی نے بنیادی انسانی حقوق پر غور و خوض کیا اور تیسری کمیٹی نے بنک کاری اور بیمہ کے مسائل پر بحث کی۔

ان کمیٹیوں کی روئداد تو بعد میں منظرِ عام پر آئے گی۔ لیکن فی الحال یہ فائدہ ضرور ہوا ہے کہ ان مسائل کے بارے میں علماء کرام کو اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا موقع ملا اور انھوں نے دوسرے فریق کی بات بھی سنی۔ اس کانفرنس کا مقصد ایک تو قرآن کریم کے نزول کی چودہ سو سالہ مبارک تقریب منانی تھی اور دوسرے علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ اصحاب میں بعض مسائل پر جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس

کے بارے میں دونوں کے اکٹھے بیٹھ کر تبادلۂ خیالات کرنے کا موقع فراہم کرنا تھا۔ اس لحاظ سے یہ کانفرنس بڑی کامیاب رہی۔ دوسرے ملکوں کے کوئی پچیس مندوبین کے علاوہ ساٹھ کے قریب پاکستان کے ممتاز علماء کرام نے ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی دعوت قبول فرمائی۔ وہ راولپنڈی تشریف لائے اور چار روز تک کانفرنس کی کارروائیوں میں حصّہ لیتے رہے۔

کانفرنس کا افتتاح تو انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کے وسیع وعریض لان میں جہاں شامیانے نصب کئے گئے تھے، کیا گیا۔ لیکن دوسرے اجلاس ہوٹل کے بڑے ہال میں ہوتے رہے۔ تمام غیر ملکی اور پاکستانی مندوبین کے قیام کا انتظام اسی ہوٹل میں کیا گیا تھا۔

اس بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کا افتتاح صدر مملکت فیلڈ مارشل محمّد ایوّب خان کو کرنا تھا، لیکن ان کی ناسازیٔ طبع کی وجہ سے یہ فریضہ پاکستان مرکزی اسمبلی کے سپیکر عبدالجبار خان نے سرانجام دیا۔ اس موقع پر صدر کے مشیرِ خاص سیّد فدا حسن نے صدر کا پیغام پڑھ کر سنایا، جس کا عربی ترجمہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرّحمٰن نے کیا۔

صدر مملکت نے اپنے پیغام میں مندوبین کا خیر مقدم کرتے ہوئے اس امر پر اپنے تیقن کا اظہار کیا کہ کانفرنس میں جو مسائل بحث وتمحیص کے لئے رکھے گئے ہیں، وہ علماء کرام کی پوری توجہ کے مستحق ہوں گے اور اُن پر جو غور وفکر ہوگا، اس سے تمام مسلمان اس انقلاب کی عظمت سے متعارف ہوسکیں گے، جو قرآن کی بدولت تاریخ میں بروئے کار آیا۔

صدر نے فرمایا کہ آج دنیا کی حالت ایک آتش فشاں پہاڑ کی ہے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم انسانیت کی ایک بہت بڑی خدمت کریں گے، اگر ہم بنی نوع انسان کی تفکیر میں ایسا توازن بہم کر سکیں کہ وہ قومی اور بین الاقوامی دونوں سطحوں پر اخلاقی قدروں کا احترام کرنے کے قابل ہو اور اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ابدی قوانین اور انسانی معاشرے کی ہمہ وقت بدلتی ہوئی ضرورتوں کے درمیان ہم آہنگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو۔ یہ ایک عظیم ترین فریضہ ہے، جس سے ہمیں آج عہدہ برآ ہونا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اسلام کی تعلیمات پھر ایک بار دنیا کو جسے باہمی آویزشوں اور منافرتوں نے پہلے سے کہیں زیادہ آج ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا ہے، نجات دلائیں۔

صدر مملکت نے اپنے پیغام کے آخر میں اس بات پر زور دیا کہ تمام دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کی ایک مشترک تاریخ ہے۔ اور وہ اپنے اس تاریخی قیمتی ورثے سے استفادہ کر کے اپنے لئے ایک شاندار مستقبل کی تعمیر کر سکتے ہیں۔

وزیر قانون وپارلیمانی امور سیّد محمد ظفر نے، جو ادارہ تحقیقات اسلامی کے بورڈ آف گورنرز کے چیئرمین ہیں، اپنا خطبۂ استقبالیہ پڑھا، جس میں آپ نے معزز مندوبین کو خوش آمدید کہتے ہوئے ماضی میں اسلام کا جو عظیم الشان تاریخی کردار تھا، اس پر روشنی ڈالی، اور آج اسلام کس طرح نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ پوری انسانیت کو فوز و فلاح سے ہمکنار کر سکتا ہے، اس کی نشان دہی کی۔ سیّد محمد ظفر صاحب نے فرمایا: اسلام کی تشکیلی صدیاں دینوی ترقی اور روحانی روشن خیالی کی صدیاں تھیں۔ یہ فتوحات اور روشنی و تابانی کا دور تھا۔ اس میں اسلامی ملّت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، اور وہ آسودگی و خوش حالی سے بہرہ ور ہوئی۔ اس عہد میں کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ نہ طاقت و سطوت میں اور نہ دوسری کامرانیوں میں۔ اس کی کامیابیاں حیرت انگیز اور ہمہ گیر تھیں۔ اس نے زندگی کے ہر شعبے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے، آرٹ میں اور سائنس میں بھی مسلمانوں کی نوجوں نے بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ ان کی حکومتوں کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کیا جاتا تھا۔ اس عہد میں ملّتِ اسلامیہ اخلاقی اعتبار سے بھی بڑی مضبوط و توانا تھی۔ غرض مسلمانوں کا یہ دور صرف طاقت و قوت کا نہیں بلکہ عظمت و بلندی کا بھی تھا۔

قرآن مجید اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی تاثیر سے جس طرح دنیا کی ظلمتیں چھٹیں اور ہدایت کی روشنی پھیلی، وزیر قانون نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا "سمجھ بوجھ رکھنے والا جدید ذہن جسے کہ آج جدید تہذیب کہا جاتا ہے، اس کی بنیادی ہم آہنگ حقیقت قرآن مجید میں پا سکتا ہے"۔ عروج و اقبال کی ان صدیوں کے بعد مسلمانوں کو آخر میں زوال نے آلیا۔ سیّد محمد ظفر صاحب نے بتایا کہ اس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان قرآن کے اصول و مبادی سے غافل ہو گئے اور اس کے نتیجے میں ان کے ہاں زندگی کی توانائی و حرکت نہ رہی۔ اب اگر مسلمانوں کو ترقی کرنا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کی طرف لوٹیں، اس کی حقیقی تعلیمات کو اپنائیں اور انہیں اپنی زندگی میں مشعل راہ بنائیں۔ وزیر قانون کے الفاظ میں "قرآن مجید کے مطالعہ و علم سے تخلیقی قوت بیدار ہو گی اور اس سے

برابر نئے افکار ابھرتے رہیں گے، جیساکہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور میں ہوا۔" آخر میں سید محمد ظفر صاحب نے" الفرقان" کے زیر ہدایت پوری اسلامی دنیا سے متحد ہونے کی اپیل کی اور کہا: ہمیں ذلت سے اقبال، کمزوری سے طاقت، بھوک اور افلاس سے آسودگی و خوش حالی اور روحانی تہی دامنی سے روحانی بلندی کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

جناب عبدالجبار خاں صاحب نے کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایاکہ اگر انسان خلوص اور سچے دل سے قرآن سے ہدایت طلب کرے، تو قرآن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پوری انسانیت کے لیئے سرچشمہ ہدایت ہو سکتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں فقہ کی شکل میں مسلمانوں کے ہاں شخصی و اجتماعی نظام ہائے کار کا جس طرح ارتقاء ہوا، اس کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا۔ قرآن اور سنت کی بنیادوں پر یہ شخصی اور اجتماعی قوانین مرتب کیے گئے، چنانچہ اُس وقت جو حالات تھے، یہ ان پر پوری کامیابی سے منطبق ہوتے تھے۔ اور بقول اُن کے" فقہ اور اصول فقہ کے اس نظام نے مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ اور ہیئت سیاسیہ کو ہم آہنگی اور توازن عطا کیا تھا اور یہ نظام صدیوں تک بڑی کامیابی سے بروئے کار رہا۔"

جناب عبدالجبار خاں نے زندگی اور انسانی معاشروں کی مسلسل تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آج مسلمانوں کو نئے حالات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اور اسلامی دنیا میں بڑے بڑے تغیرات آچکے ہیں۔ یقیناً مسلمانوں کو اس صورت حال سے نمٹنا ہے اور اپنے معاشرے کی نئے سرے سے اقتصادی اور تعلیمی تشکیل کرنا ہے۔ موصوف نے فرمایاکہ ہماری تاریخ میں اس سے پہلے اس طرح کے حالات رونما ہو چکے ہیں، اور ہمارے فقہاؤ علماء ان سے بڑی کامیابی سے عہدہ برآ ہوئے تھے۔

موصوف نے فرمایا: یہ صورت حال جس سے اس وقت مسلمان دوچار ہیں، ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ ہم ورثے میں ملے ہوئے اپنے بعض نقطہ ہائے نگاہ پر نظر ثانی کریں۔ اور اپنی ذہنی و قلبی صلاحیتوں سے از سر نو کام لیں تاکہ قرآن مجید کے احکام کو اس ماحول پر منطبق کر سکیں۔ اسلام کے اندر تخلیقی ارتقاء کی جو صلاحیت ہے، وہ ہم سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ ہم اس نئی صورت حال سے اسی طرح نمٹیں، جیسے اس سے پہلے ہمارے فقہاء اولیں ایسی ہی صورت حال سے نمٹ چکے ہیں۔

کانفرنس کے اس افتتاحی اجلاس میں بہت سے مسلمان ملکوں کے سربراہوں کے پیغامات پڑھے گئے جن میں قابل ذکر شاہ افغانستان، شہنشاہ ایران، صدر سوڈان، قائم مقام صدر انڈونیشیا، صدر جمال ناصر، صدر تیونس، صدر حبیب بورقیبہ اور شیخ کویت کے پیغامات تھے۔

یہ افتتاحی اجلاس ۱۰ فروری کو بعد از دوپہر شروع ہوا، اور مغرب تک رہا۔ اس میں کئی ہزار افراد نے شرکت کی

اسی دن رات ساڑھے چھ بجے عالمی اسلامی کانفرنس کا پہلا اجلاس ہوا۔ اس کے صدر الحاج سید امین الحسینی مفتیٔ اعظم فلسطین اور مددگار صدر جسٹس ایس اے رحمان اور ڈاکٹر سید حسین نصر ایرانی مندوب تھے۔ اجلاس کا موضوع بحث تھا:- اسلام میں عقل کا کردار (رَول)

ڈاکٹر نصر نے پیش نظر موضوع کا تعارف کراتے ہوئے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ آج اسلامی دنیا کے بعض حلقوں میں عام طور سے یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ ایسی آئیڈیالوجی جو مغرب میں بطور فیشن مقبول ہو۔ اسے قبول کر لیا جائے، اور اس کے ساتھ لفظ اسلامی لگا لیا جائے۔ چنانچہ ہم اسلامی ڈیموکریسی اسلامی سوشلزم، اسلامی عقلیت پسندی وغیرہ کی اصطلاحات سنتے رہتے ہیں۔ اس سے اسلام بجائے عمومی وجامع اصولوں اور مکمل عالمی نقطہ نظر رکھنے والے نظام کے محض ایک اسم صفت بن کر رہ جاتا ہے جو ایسے اسماء کے ساتھ لگا دیا جاتا ہے جن کے مغربی تہذیب میں بالکل اور معنی ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر نصر نے بتایا کہ اسلام عزت کی نظروں سے صرف اسی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ مروجہ نظریات حیات کے متبادل ایک مستقل نظریۂ حیات کا حامل ہو۔ موصوف کے نزدیک مصر کے سلفین کی طرح آج کے دَور میں اسلام کی محض عقلی تعبیر کافی نہیں، بلکہ ان کے الفاظ میں" اس مابعد الطبیعیاتی اور فلسفیانہ عمیق خزانہ حکمت سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے، جو تاریخ اسلام کی پچھلی صدیوں میں جمع ہوتا رہا ہے۔"

ڈاکٹر نصر نے بتایا کہ اسلام موجودہ دنیا کی ایک بہت بڑی خدمت یہ انجام دے سکتا ہے کہ اس وقت عقل اور وحی یا سائنس اور مذہب کی متناقضانہ کشمکش جس خطرناک حد کو پہنچ چکی ہے، وہ اسے دُور کرے اور ان میں ہم آہنگی پیدا کرے۔ موصوف کے نزدیک استدلالی عقل سے الہیاتی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں۔ امام غزالی، جلال الدّین رومی اور فخر الدین رازی نے اس استدلالی

عقل کی خام کاری بتائی ہے۔ مولانا رومی کا ارشاد ہے :۔ عقل جزئی عقل را بدنام کرد۔ ڈاکٹر نصر نے بتایا کہ عقل کل اور وحی میں کوئی تناقض نہیں، بلکہ ایک حدیث کی رُو سے جبرئیل سے مراد عقل کل ہے۔ اور اصل مطلوب یہ عقل ہے، نہ کہ استدلالی عقل۔

ڈاکٹر نصر کے مقالے کے بعد نائیجیریا کے مندوب ایس بی گیوانے اپنا مقالہ پڑھا۔ پھر سوڈان کے مندوب یوسف الخلیفہ ابوبکر نے مقالہ پڑھا، جس میں انھوں نے قرآن مجید نے جس طرح تفکر، تدبر اور تفقہ پر زور دیا ہے، اسے مثالیں دے کر بتایا۔ آخر میں آپ نے کہا کہ قرآن مجید کی یہ آیات جن میں غور و تفکر کی ترغیب دی گئی ہے، اس امر پر دال ہیں کہ قرآن ہم سے عقلی صلاحیتوں سے پوری طرح کام لینے کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ ہم زندگی، کائنات، اس عالم کے اور ماورائے عالم کے علوم کو سمجھیں اور ان میں تحقیق کریں۔

ڈاکٹر سراج الحق اور محمد سعود انصاری کے مقالوں کے بعد مولانا جعفر پھلواری نے اجتہاد و قیاس کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ انھوں نے عقل کی فضیلت میں ایک حدیث بیان کی اور باب اجتہاد کو کھولنے پر زور دیا۔ اس پر بڑی گرما گرم بحث ہوئی۔ متحدہ عرب جمہوریہ کے مندوب ڈاکٹر حب اللہ نے کہا کہ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہا ہے۔ اور عملاً وہ کبھی بند نہیں ہوا، لیکن اجتہاد کی کچھ شرائط ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔ بے شک قرآن نے عقل سے کام لینے پر زور دیا ہے، لیکن پہلے عقل کی حدود مقرر ہونی چاہئیں۔ انھوں نے بتایا کہ عقل کی تعریف میں جو حدیثیں مروی ہیں، وہ اکثر موضوع ہیں۔ مولانا یوسف بنوری نے بھی اس مسئلے پر اظہار خیال کیا اور فرمایا جہاں کسی مسئلے کے متعلق نص موجود نہ ہو، وہاں ضرور اجتہاد ہونا چاہیئے۔ لیکن طبرانی کی حدیث کے مطابق اجتہاد کرنے کے اہل فقہاء عابدین ہیں۔ ہر کس و ناکس کو اجتہاد کا حق دینا موجب شر و فساد ہوگا۔

آخر میں ڈاکٹر سید محمد یوسف اور جناب ابوالہاشم نے پروگرام کے مطابق تمام تقریروں پر تبصرہ کیا۔ آخرالذکر صاحب نے فرمایا کہ ہمیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر قرآن کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، اور اس سرچشمۂ ہدایت سے فیض حاصل کرنا چاہیئے۔ ڈاکٹر یوسف نے اجتہاد پر گفتگو فرمائی اور اس کی شرائط کی ضرورت اور اہمیت بتائی۔

یہ اجلاس رات کے نو بجے ختم ہوا۔

۱۱ فروری کے اجلاس کا موضوع بحث " اسلام اور امن عالم " تھا۔ اس کے صدر سوویت یونین کے مندوب مفتی ضیاء الدّین باباخانوف اور مددگار صدر ایس۔ ایم۔ مرشد اور شیخ احمد کفتارو مفتی شام تھے۔

شیخ احمد کفتارو نے اپنے مقالے میں بتایا کہ قرآن اور اسلام نے صرف "سلام" یعنی امن کی دعوت نہیں دی، بلکہ وہ سرتاپا عین سلام، مقصود سلام اور ثمرہ سلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب فرماتے ہوئے کہتا ہے :- وما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔ آپ کا رحمت ہونا صرف عربوں کے لئے نہیں تھا۔ نہ محض پاکستانیوں کے لئے تھا، بلکہ آپ کل عالمین کے لئے رحمت تھے۔ آپ کی ایک حدیث ہے، جس میں آپ نے فرمایا۔ تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے، اور اس مخلوق میں سب سے محبوب اللہ کو وہ ہے، جو اس کے عیال کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ دعا تلقین فرمائی ہے۔ اللهم انت السلام ومنك السلام واليك يرجع السلام۔ اور یہ سلام (امن وسلامتی) صرف مسلمانوں کے لئے نہیں، بلکہ تمام عالم کے لئے ہے۔

مفتی امین الحسینی نے اپنے مقالے میں اسلام کی عالمی اور بین الاقوامی نوعیت کی وضاحت فرمائی۔ آپ نے بتایا کہ قرآن وحدت انسانیت کا داعی ہے۔ اور اس کے نزدیک انسانیت کی اصل ایک ہے۔ قرآن نے اجناس، ادیان، اقوام اور امم کے درمیان تعاون کی دعوت دی، اور اس بات پر زور دیا کہ تمام سماوی رسالتوں میں وحدت پائی جاتی ہے۔ وہ سلام یعنی امن وسلامتی کا سب سے بڑا نقیب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے : وما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔ مفتی صاحب کے الفاظ ہیں" اسلام کی دعوت کی اصل سلام ہے۔ اور جنگ صرف مجبوری کی صورت میں جائز ہے"۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ اگر ہم اپنے اور انسانیت کے لئے سلام یعنی امن کو حقیقت واقعی بنانا چاہتے ہیں، تو ہمیں قرآن کو اسی اسلوب پر محمول کرنا چاہیئے علماً، فہماً وعملاً، جیسے مسلمین اولین نے کیا۔

اجلاس کے تیسرے مقرر ڈاکٹر ایس اے حسن مندوب ملیشیا تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس وقت اسلامی دنیا کو جو خطرہ درپیش ہے، وہ ان خطرات سے جو اسے صلیبیوں، تاتاریوں اور مغربی استعماری اقوام سے پہلے پیش آچکے ہیں، کہیں زیادہ ہولناک ہے۔ یہ خطرہ مغرب کی سائنسی اور ٹیکنیکل سربلندی کا ہے۔ اگر ہم نے سائنس اور ٹیکنالوجی کو نہ اپنایا، تو نہ ہماری آزادی محفوظ رہے گی اور نہ ہم اپنی اسلامی

شخصیت کو بچا سکیں گے۔

ڈاکٹر حسن کے نزدیک اگر مسلمان ملکوں میں باہم تعاون ہو اور وہ ہمہ گیر انسانی اخوت کو فروغ دیں تو اس سے انسانی برادری کے جذبات ابھریں گے اور عالمی امن کی راہ ہموار ہوگی۔

ایس ایم مرشد صاحب نے اپنے مقالے میں "اسلامی قانون کی اخلاقی بنیاد۔ حقوق و فرائض" پر بحث کی۔ آپ نے کہا کہ اسلام میں مذہبی اور سیکولر قوانین الگ نہیں۔ وہ ایک ہی سرچشمہ سے پھوٹتے ہیں۔ اور ان کا ایک ہی سا اخلاقی مرتبہ ہے۔ چنانچہ اسلامی قانون کی بنیاد تمام تر اخلاقی ہے۔ اور اس کا مصدر و منبع خدا ہے۔

مراکش کے مندوب عبدالرحمٰن دکّانی کی تقریر کے بعد سعودی عرب کے مندوب سید حسن الکتبی نے تقریر کی۔ آپ نے فرمایا کہ آج دنیا جن مصائب سے دوچار ہے، ان کا حل قرآن میں موجود ہے۔ آپ نے سانحہ فلسطین کا ذکر کیا، اور کہا کہ یہ صرف فوجی شکست نہیں، بلکہ ہماری فکری، علمی، فنی اور ٹیکنالوجی کی شکست ہے۔ ہمیں دشمنوں کے طریقہ کار سے سبق لینا چاہیئے۔ آپ نے زور دیا کہ قرآن عمل کے لیئے اترا ہے اور آج عمل ضروری ہے۔ پیر صاحب دیول شریف نے اپنی تقریر میں قرآن کے محاسن اور دنیا پر اس کے جو احسانات ہیں، ان کا ذکر کیا۔ بریگیڈیر گلزار صاحب نے اسلام میں ہمہ گیر جنگ کے تصوّر پر تقریر کی۔ اور کہا کہ مسلمان چونکہ اس کو نہیں سمجھے تھے، اس لئے محکوم ہوگئے۔

پروفیسر اے۔ بی۔ اے۔ حلیم نے تبصرہ کرتے ہوئے بتایا کہ نسل اور رنگ کا امتیاز، جغرافیائی حدود کا امتیاز اور مذہبی تعصّب، یہ چیزیں انسانوں کے اندر تفرقہ ڈالتی ہیں۔ اسلام نے ان سب کو مٹایا۔ اس نے کہا کہ ساری انسانیت ایک ہے۔ اور قبائل اور شعوب کا امتیاز محض تعارف کے لئے ہے۔ اسی طرح اس نے مذہبی رواداری پر بھی زور دیا۔ یہ صحیح بنیاد ہے عالمی امن کی۔ اسلام سے پہلے بین الاقوامی قانون کا وجود نہیں تھا۔ اس نے سب سے پہلے اس قانون کی طرح ڈالی۔ وہ جنگ کی اس لئے اجازت دیتا ہے تاکہ جنگ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

پروفیسر حلیم نے بتایا کہ اسلامی دورِ حکومت میں اسپین کی قرطبہ یونیورسٹی میں جہاں مسلمانوں کے لئے مسجد تھی، وہاں عیسائیوں کے لئے گرجا اور یہودیوں کے لئے ان کا معبد تھا۔ لیکن آج اس دور میں اسی اسپین میں مسجد بنانا قانوناً ممنوع ہے۔

اجلاس کے صدر مفتی ضیاء الدین بابا خانوف نے آخر میں اپنا مقالہ پڑھا۔ شروع میں انھوں نے قرآن کے نزول اور اس کی ترتیب و تدوین کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ وسطی ایشیا کے مسلمان قرآن کریم اور احادیثِ نبوی کی تعلیمات پر قائم ہیں۔ وہ دین اسلام کو دنیا اور آخرت کے لئے سب سے مقدس ہدایت سمجھتے ہیں اور اس سے متمسک ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ اسلامی اخلاق سب سے اعلیٰ اخلاق ہیں۔ اور یہ کہ اسلامی تعلیمات انسانی معاشرے کی تبدیلی کا ساتھ دے سکتی ہیں۔

مفتی صاحب نے فرمایا کہ مساوات اور اخوت کا اسلام میں سب سے بڑا اور نمایاں مقام تھا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے : یاایہا الناس انا خلقنا کم من ذکرٍ و انثی۔ اسی مساوات اور اخوت کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنے وطن میں دوسری قوموں کے ساتھ امن و سلامتی سے رہتے ہیں۔

صاحب موصوف نے اُن مسلمان ائمہ و علماء کا ذکر کیا، جو عہد ماضی میں وسطی ایشیا یعنی ماوراء النہر میں گزرے ہیں۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ دین اسلام نے تمام لوگوں کے درمیان اخوت اور مساوات قائم کرنے کی دعوت دی تھی۔ آج ضرورت ہے کہ استعمار کے خلاف تمام مسلمان متحد ہونے کی کوشش کریں۔

———O———

۱۲ر فروری کو صبح ۹ بجے کانفرنس کا تیسرا اجلاس حسب معمول انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کے ہال میں منعقد ہوا۔ اس کے صدر متحدہ عرب جمہوریہ کے سابق وزیر اوقاف اور حال مدیر جامعہ ازہر شیخ احمد حسن الباقوری اور مددگار صدر ڈاکٹر رضی الدین صدیقی وائس چانسلر اسلام آباد یونیورسٹی اور ڈاکٹر ذکی ولیدی توغان ڈائرکٹر اسلامک سٹیڈیز ترکی تھے۔ اس اجلاس کا موضوع بحث تھا "اسلامی عدل اجتماعی"۔

ترکی مندوب ڈاکٹر ذکی کے مقالے کے بعد جو ترکی میں قرآن مجید کے تراجم کے بارے میں تھا، مفتی مولانا محمد شفیع صاحب نے اسلام کے اقتصادی نظام پر اپنا مقالہ پڑھا۔ مولانا نے فرمایا کہ اس میں شک نہیں کہ اسلام میں معاش کے مسئلہ کی بڑی اہمیت ہے لیکن اسلام کے نزدیک معاش زندگی کا اصل مقصد نہیں۔ اصل مقصد کردار کی بلندی اور آخرت کی فلاح و بہبود ہے۔ یقیناً قرآن نے معاش کا فضل، خیر اور زینت کے الفاظ سے ذکر کیا ہے لیکن ہے وہ راہ گزر ہی، اصل منزل نہیں۔

مولانا نے فرمایا کہ قرآن نے مال کو مال اللہ کہا ہے، اس لئے لازماً اس مال کو اللہ کے احکام کے مطابق صرف کرنا چاہیئے۔ جو مال کو اس طرح صرف کرتا ہے، وہ آخرت میں اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔ اسلام

سرمایہ داری کے خلاف ہے، کیونکہ سرمایہ دار مال کو اپنا مال سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ مال اللہ کا ہے۔ اسی طرح اسلام اشتراکیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ شخصی ملکیت کا انکار کرتی ہے۔ اسلام دراصل سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان ایک متوازن راہ پیش کرتا ہے۔

اسلام کے نزدیک سرمایہ کو نفع کے ساتھ نقصان کا بھی ذمہ دار ہونا چاہیئے۔ اسی لئے اس کے ہاں ربا حرام ہے۔ غرض اسلام انسان کو دولت کے استعمال میں خود مختار نہیں مانتا، وہ اسے احکامِ الٰہی کا تابع قرار دیتا ہے

ترکی مندوب ڈاکٹر نشأت چغتائی نے اپنے مقالے میں بتایا کہ قرآن کا خطاب تمام انسانوں سے ہے اور اس کا مورل کوڈ (ضابطۂ اخلاق) سب انسانوں کے لئے ہے۔ قرآن کی عمومی تعلیمات کی عملی تعبیر و تطبیق ہر زمانے کی ضرورتوں کے مطابق ہو سکتی ہے۔ اس نے جہاں "المومنون اخوۃ" پر زور دیا، وہاں اس کا یہ بھی ارشاد ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک ہو اور ان کو مذہبی آزادی دی جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں انسانی مساوات کا جو اصول تھا، اس سے اسلام کو پھیلنے میں بڑی مدد ملی۔ لیکن افسوس اموی حکمرانوں کی عرب پرستی اس میں سدِّ راہ بنی۔ اگر مسلمانوں کے ہاں اسلام کے اصولِ اخوت و مساوات پر عمل ہوتا تو سارے مسلمان ایک برادری ہوتے۔ اگرچہ اسلام نے تعصّبات کو ختم کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن ان کا مسلمانوں میں برابر عمل دخل رہا اور وہ زیرِ زمین کام کرتے رہے۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ کے ابتدائی دَور کے بعد مسلمانوں کے ہاں کبھی ایک متحدہ حکومت قائم نہیں ہو سکی۔ آخری دَور میں عثمانی خلافت نے اس کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہی۔

ڈاکٹر چغتائی نے بتایا کہ مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ کو دیکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قوموں اور قومیتوں کے مستقل وجود کا انکار ممکن نہیں۔ ایسی کوشش ناکام رہی اور آئندہ بھی ناکام رہے گی۔ ہمیں ایسی راہ اختیار کرنی چاہیئے، جو مفید بھی ہو، اور ممکن بھی۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم اسلامی اخوت پر زور دیں، لیکن اس کے ساتھ قومیتوں کا وجود تسلیم کریں۔ موصوف کے نزدیک اسلام نے قومی خصائص کو نہیں مٹایا، البتہ اس پر ضرور زور دیا ہے کہ سب انسان برابر ہیں۔ اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ آج سب مسلمانوں کی ایک خلافت ممکن نہیں۔ یہ قومیتوں کا دَور ہے، لیکن یہ قومیتیں (قرآن کی زبان میں شعوب و قبائل) باہم تعارف کے لئے ہیں، اصل وہی ہے جس کا اثبات رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے آخری حج کے موقع پر میدانِ عرفات میں فرمایا تھا کہ نہ عربی کو عجمی پر اور نہ سرخ کو کالے پر کوئی فضیلت ہے۔ آج ضرورت اس کی ہے کہ قوموں کا الگ الگ وجود تسلیم کیا جائے، اور اس کے بعد ان میں آپس میں تجارتی، ثقافتی اور علمی تعلقات مضبوط کئے جائیں۔

ٹیونسی مندوب جناب کمال ترزی نے اپنی تقریر میں کہا کہ قرآن مسائل کے ایجابی حل پیش کرتا ہے۔ اس کی اپیل عقل سے ہے، وہ عقل کو سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دیتا ہے، لیکن یہ عقل مدرک اور واعی (بیدار) ہونی چاہیئے۔ آپ نے بتایا کہ اسلام ایک ثورۂ (انقلاب) اجتماعی تھا، قبل اس کے کہ وہ ثورۂ حکومتی ہوتا، اس نے عدلِ اجتماعی پر زور دیا، جس کی اساس ترقی پذیر انسانی اصول ہیں۔

جناب کمال ترزی نے فرمایا کہ قرآن نے صرف ترکیز (استحکام) عقیدہ پر زور نہیں دیا، بلکہ اس عقیدہ کی انفرادی، خاندانی اور اجتماعی زندگی پر عملی تطبیق کی اہمیت و ضرورت واضح کی۔ عقیدہ اور شریعت دراصل دونوں ایک ہیں۔ ایک فکر ہے اور دوسرا اس فکر کی عملی تطبیق۔ آپ نے بتایا کہ زندگی "مجتمع" یعنی معاشرہ اور سماج کا حق ہے۔ اس لئے اُس کا مبداء و اصول لازماً مساوات ہونا چاہیئے مساوات سب افرادِ معاشرہ ہیں۔ اسلام میں ذمیوں کے بھی وہی حقوق ہیں، جو مسلمانوں کے ہیں۔ زندگی سے ہر دو کو ایک سا حصّہ ملنا چاہیئے۔ اسلام سے پہلے طبقاتی نظام کا غلبہ تھا، یہاں تک کہ مذہب میں بھی۔ جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں۔ اسلام نے جہاں مذہبی طبقاتی نظام ختم کیا، وہاں اجتماعی و اقتصادی توازن بھی قائم کیا۔

موصوف کے نزدیک اسلام انسانوں میں صلاحیتوں کے اختلاف کو مانتا ہے۔ اس لئے وہ ایک حد تک معاشی تفاوت کو جائز سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر اسے شیوعیت (کمیونزم) سے اتفاق نہیں کیونکہ تفاوتِ معاش کا انکار کرنے کا اثر عمل پر پڑتا ہے۔ وہ ایک اعتدال پسند عدلِ اجتماعی کا قائل ہے، جس میں ہر شخص کو اچھی زندگی گزارنے کے مواقع ملیں۔ اسلام شخصی ملکیت کا اقرار کرتا ہے لیکن ظلم کو رد کرتا ہے۔ وہ جُہد (محنت) اور اس کی جزا (معاوضہ) میں انصاف چاہتا ہے۔ اسلام کے نزدیک ملکیّت ایک طرح کی خلافت (نیابت) ہے۔ یعنی اصل مالک اللہ ہے۔ اور انسان اپنی ملکیّت میں اللہ کا نائب ہے۔ اسلام نے فقر و احتیاج کے خلاف جہاد کیا۔ مال کے اکتناز (ذخیرہ اندوزی) کو مردود ٹھہرایا۔ اور بار بار

زکوٰۃ کا ذکر کیا۔ موصوف نے فرمایا " اِنفاقٌ فی سبیل اللہِ اوسعُ من الزکوٰۃ " (یہ جو قرآن میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے، اس کا دائرہ زکوٰۃ سے وسیع تر ہے)

جناب ترزی نے اپنی تقریر کے آخر میں فرمایا :۔ رسول اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے اجتماعی زندگی کی مثال ایک کشتی سے دی ہے کہ اگر اس میں بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کوئی ایک سوراخ کر دے تو اس کے نتیجے میں سب غرق ہوں گے۔ موصوف کے نزدیک لوگوں کے مال میں اللہ کا حق ہے۔ اسے قہراً لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ میں " ولی الامر (حکومت یا حاکم) مال میں افراد کے حق تصرف کو محدود کر سکتا ہے۔ اگر اس سے معاشرہ کو نقصان پہنچ رہا ہو، لیکن اسلام شیوعیت (کمیونزم) اور سرمایہ داری دونوں کا مخالف ہے، وہ افراد کا حق ملکیّت تسلیم کرتا ہے۔"

سیّد یوسف الہاشمی الرفاعی مندوب کویت نے قرآن مجید کی نشر و اشاعت اور دین اسلام کی تبلیغ کے لئے عملی اقدامات کرنے پر زور دیا۔ موصوف نے تجویز کی کہ ایک مؤسسہ اسلامیہ (اسلامی ٹرسٹ) قائم کیا جائے، جو قرآن کی طباعت اور اسے زیادہ سے زیادہ تقسیم کرنے کا انتظام کرے۔ وہ مسجدوں کی تعمیر اور دینی مدارس کے قیام میں مدد دے۔ وہ دین اسلام کی تبلیغ کا نظام بنائے اور اسے چلائے۔ اس کے ذمے مسیحی مشنریوں کی اسلام دشمن کارروائیوں کا سدّباب بھی ہو۔ نیز اس مؤسسہ کا یہ بھی کام ہو کہ وہ مسلمانوں کے اندر اتفاق و اتحاد پیدا کرے، اور ان میں جو اختلافات رونما ہوتے رہتے ہیں، انہیں دُور کرائے۔

باقی رہا یہ سوال کہ اس مؤسسہ کے لئے مالیات کہاں سے آئیں، تو مختلف مسلمان ملکوں میں جو اوقاف ہیں، ان کی آمدنی کا ایک حصّہ اس مؤسسہ کے لئے وقف کیا جائے۔

محمد مسعود سی۔ ایس۔ پی ناظم اعلیٰ محکمۂ اوقاف مغربی پاکستان کے مقالہ کا عنوان تھا: "اسلام کے اقتصادی نظام پر ایک نظر"۔ یہ ایک طویل مقالہ تھا، جس کے صاحبِ موصوف نے اجلاس میں صرف چند اقتباسات پڑھے۔ آپ نے اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر سندھ کے ہاریوں کی تباہ حالی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا یہ صورت حال صرف سندھ سے خاص نہیں۔ کئی صدیوں کی حماقتوں کی وجہ سے

نام نہاد علماء کی فعّال مدد سے مسلمان مسلمانوں کا استحصال کرتے رہے ہیں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ ہم سب نے اسلام کی انقلابی روح اور اس کی آئیڈیالوجی کو بھلا دیا اور علماء مفاد پرست طبقوں کے آلۂ کار بنے رہے۔ اب ضرورت ہے کہ اقتصادی مسائل کے متعلق اسلام کا حقیقی نقطۂ نظر واضح کیا جائے۔"

مسعود صاحب کے نزدیک زمین کی ملکیت کے معاملے میں قرآن کا قانون غیر مبہم طور پر مالک کسان کے حق میں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بعد میں سرمایہ دار طبقہ نے اپنے مفاد کے لئے اس کی اپنی تعبیر کرلی۔ اور اس طرح اسلام کے نام سے صدیوں تک استحصال کا بازار گرم رہا۔ انھوں نے بتایا کہ ہمارے تمام مسائل کا حل اسلام پیش کرتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہم مسلمانوں میں ایسے مفاد پرست موجود ہیں۔ جو اسلامی اصولوں کے نافذ میں حائل ہیں۔

مسعود صاحب کے الفاظ میں" قرآن کا قانون زمینداری نظام کے حق میں نہیں۔ اس قانون کی روح یہ ہے کہ جو لوگ صحیح معنوں میں زمین کاشت کرتے ہیں، ان سب پر منصفانہ طریقے سے زمین تقسیم ہو۔ غرض زمین کے معاملے میں قرآن شخصی ملکیّت کی اجازت نہیں دیتا۔ جو زمین پر محنت کرتا ہے، وہی اس کا مالک ہونا چاہیئے۔"

صاحب موصوف نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات پیش کیں۔ پھر زمین کو بٹائی پر دینے کی ممانعت کے متعلق رافع بن خدیج کی حدیث نقل کی۔ اس کے بعد امام ابوحنیفہ کا فتویٰ پیش کیا۔ اور شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور مولانا عبیداللہ سندھی کے اقوال اس کی تائید میں ذکر کیے۔ اس کے بعد مسعود صاحب نے کہا " زمین کو بٹائی پر دینے کے جواز میں امام ابویوسف کا قول پیش کیا جاتا ہے۔ امام صاحب خلیفہ ہارون الرشید کے قاضی القضاۃ تھے، جس کا عہد حکومت شہنشاہیت کا نقطۂ عروج تھا۔ چنانچہ اس دَور میں امام صاحب کا بٹائی کو حرام قرار دینا ناقابل تصوّر ہے۔ اس سلسلے میں ان کے استاد امام اعظم کا مسلک قرآن کے مطابق ہے۔"

مسعود صاحب نے مشہور مورّخ سید امیر علی کی کتاب " HISTORY OF SARACENS " کے اقتباسات دے کر بتایا کہ اسلام کے ابتدائی دَور میں عراق، شام، مصر، شمالی افریقیہ اور اسپین میں جہاں بھی مسلمان فوجیں پہنچیں، وہاں کے مفلوک الحال اور پسے ہوئے عوام نے ان کا خیر مقدم کیا، کیونکہ اُس دَور میں اسلام جاگیرداری کا مخالف تھا اور اس کی فتوحات پس ماندہ طبقوں کے لئے آزادی کا پیغام ثابت

ہوئیں۔ موصوف کے نزدیک اسلام جو ناداروں کے لئے نئی زندگی کا نقیب تھا، جلد ہی اس پر زر دار غالب آ گئے۔ چنانچہ مسعود صاحب کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت انہی زرداروں کی سازش کا نتیجہ تھی۔ انھوں نے کہا" میں آپ کو بتادوں۔ دنیا کے عظیم ترین انسان ہمارے رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، جنہوں نے خود اپنی ذاتی مثال سے اسلام کے شاندار قانون کو عملی شکل دی، زندگی میں آپؐ کی کوئی جائداد تھی، اور نہ انتقال کے وقت آپ نے کوئی جائداد چھوڑی۔ اس سلسلے میں میں یہ بھی عرض کر دوں کہ آج تک کوئی امیر آدمی نہ کبھی پیغمبر ہوا ہے اور نہ ولی۔ رسول اللہ صلعم نے جس مساوات کی تعلیم دی، وہ صرف مسجد تک محدود نہ تھی، بلکہ اس کا اطلاق زندگی کے تمام دوائر پر ہوتا تھا۔"

اسی ضمن میں مسعود صاحب نے صدر محمدؐ ایوب کی نافذ کردہ زرعی اصلاحات کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ اسی پاکستان میں سب علماء اس پر متفق تھے کہ مالکانِ زمین سے خواہ ان کے پاس کتنی بھی زمین کیوں نہ ہو، ایک انچ بھی زمین نہیں لی جاسکتی، اور زمین کی ملکیت کی تحدید اسلام کے نزدیک جائز نہیں۔ اس کے ثبوت میں ان علماء نے آیات، احادیث اور اقوال فقہاء پیش کئے تھے، لیکن صدر ایوبؔ نے زرعی اصلاحات نافذ کر کے اسلام کے تصوّرِ عدل اجتماعی کو عملی شکل دینے کی راہ ہموار کر دی۔

مسعود صاحب کے ان افکار سے حاضرین کے ایک حصے میں کچھ برہمی سی پیدا ہوئی۔ چنانچہ ان کے خیالات کی نمائندگی کرتے ہوئے مفتی مولانا محمود صاحب نے مختصر سی تقریر فرمائی۔ انھوں نے اس بات کا تو اعتراف کیا کہ امام ابوحنیفہ اور اسی طرح امام شافعی زمین کو بٹائی پر دینے کو شرعاً ناجائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ کہ زائد زمین اِجباراً لے لی جائے۔ یہ صحیح نہیں۔ اسلام شخصی ملکیّت کی اجازت دیتا ہے۔ اگر شخصی ملکیّت کی نفی کر دی جائے، تو اسلام کے زکوٰۃ، عشر اور صدقہ کے جو احکام ہیں۔ اُن کا نفاذ کیسے عمل میں آسکتا ہے؟

آخر میں صدرِ اجلاس متحدہ عرب جمہوریہ کے مندوب شیخ احمد حسن الباقوری نے اختتامی کلمات فرمائے۔ موصوف نے کہا کہ بحث کی آزادی ہونی چاہیئے اور اس معاملے میں مسلمان کا سینہ وسیع ہونا چاہئے۔ اسلام نے آزادیٔ رائے کا دروازہ کھولا تھا، جس سے معاشرہ کو بڑا فائدہ پہنچا۔ آج ہم مسلمان قرآن مجید

کے نزول کی چودہ سو سالہ تقریب منا رہے ہیں۔ کتنا اچھا ہوتا کہ مسلمان اور غیر مسلم سب اس تقریب کو مناتے۔ کیوں کہ قرآن سب کے لئے نور اور ہدایت ہے۔ اسلام آزادی وانصاف کا علمبردار ہے۔ وہ کسی کو ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ فقہاء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا کہ اس پر ظلم ہو، اور وہ خاموشی سے اسے برداشت کرے۔

شیخ الباقوری نے فرمایا کہ اسلام نے عدل اجتماعی پر بہت زور دیا ہے۔ اس ضمن میں بعض علماء نے کہا ہے کہ عادل غیر مسلم حکومت ظالم مسلم حکومت سے بہتر ہے۔ کیونکہ ایک غیر مسلم کا کفر تو اپنی ذات کے لئے ہے اور عدل سب کے لئے، اس کے مقابلے میں ایک مسلمان کا اسلام اپنی ذات کے لئے ہے اور ظلم سب کے لئے، غرض اسلام سلامتی و امن ہے۔ صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ سب کے لئے۔

۱۳ار فروری کو کانفرنس کا آخری اجلاس تھا۔ اس کے صدر خواجہ شہاب الدّین صاحب، وزیر اطلاعات ونشریات اور مددگار صدر علّامہ علاء الدّین اور ڈاکٹر عمر فرخ مندوب لبنان تھے۔

ڈاکٹر عمر فرخ نے اپنی تقریر میں اسلام کی عالمگیر برادری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ مسلمان مختلف ملکوں میں آباد اور مختلف قوموں میں منقسم ہیں۔ اور ان کی تہذیبیں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اور انھیں اخوت اسلامی ایک رشتے میں منسلک رکھتی ہے۔ موصوف نے بتایا کہ رسول اکرم علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے ہمیں صرف تعلیمات نہیں دیں، بلکہ ان پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ اس لئے ایک اچھا مسلمان بننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو عملاً بھی اپنائیں۔

مؤتمر عالم اسلامی پاکستان کے سیکرٹری جنرل انعام اللہ خان نے حاضرین سے جنوبی کوریا کے چند طلبہ کا تعارف کرایا۔ انھوں نے بتایا کہ کوریا کی پچھلی جنگ میں ترکی فوج کے کچھ دستے بھی گئے تھے۔ اور ان کے ساتھ جو امام تھے، ان کی کوششوں سے جنوبی کوریا میں پہلی دفعہ اسلام کا تعارف ہوا۔ چنانچہ اب وہاں تین ہزار کے قریب مسلمان ہیں۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے اپنی تقریر میں کانفرنس کے چار کھلے اجلاسوں اور تین خاص کمیٹیوں کی کارروائیوں کا خلاصہ پیش کیا، اور ان پر مختصر تبصرہ کیا۔ آپ نے

فرمایا کہ اس کانفرنس کا مقصد مسلمانوں کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کرانا ہے کہ قرآن مجید انفرادی واجتماعی ہر دو لحاظ سے ہمارے لئے ہدایت ہے ۔ ہم نے اس کانفرنس میں شرکت کی جو دعوت دی ، اور ہماری یہ دعوت قبول کی گئی اور مسلمان اور دوسرے ممالک کے مندوبین یہاں تشریف لائے، تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا کے ہر حصے کے مسلمان مانتے ہیں کہ ہمارے لئے قرآن میں ہدایت ہے ۔ اور اس سے ہم رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں ۔

اس کانفرنس میں بعض اہم مسائل پر جن سے آج مسلمان دوچار ہیں، غور کرنے کی کوشش کی گئی ۔ یہ وہ مسائل ہیں، جن کا تعلق ہماری ملّی زندگی کی تشکیل نو اور ترقی سے ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ ان مسائل کے علاوہ اور بہت سے مسائل سے بھی مسلمانوں کو آج سابقہ پڑ رہا ہے، لیکن یہ مسائل جو اس کانفرنس میں زیر بحث آئے، ان کی ایک مثالی (TYPICAL) حیثیت ہے ۔ اور ان سے آئندہ تعمیر و ترقی کی نشان دہی میں مدد مل سکتی ہے ۔ یہ اور اس طرح کے اور دوسرے مسائل سے مسلمانوں کو آج عہدہ برآ ہونا ہے ۔ اور اس میں انہیں قرآن مجید سے رہنمائی حاصل کرنا ہوگی ۔

دنیائے اسلام کو آج کم و بیش ایک ہی سے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ۔ اور ہر اسلامی ملک میں ان مسائل کو سلجھانے کی کوششیں ہو رہی ہیں ۔ جب ہمارے مسائل ایک ہی سے ہیں، اور ہم سب اُنہیں حل کرنے کے لئے اپنے اسلامی ورثے کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو اسلامی دنیا کے ہر حصے کے اہلِ علم و فکر کا اس طرح کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں جمع ہونا بڑا ہی مفید ہو سکتا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح کے اجتماعات ان مسائل کو حل کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے ۔

اس کانفرنس میں سب سے پہلے جس مسئلے پر بحث ہوئی، وہ METHODOLOGY یعنی منہاج کا تھا، مطلب یہ کہ پیش نظر مسائل کو سمجھنے اور ان کا حل تلاش کرنے میں ہمارے لئے ذریعہ کیا ہے ؟ یہ ذریعہ ظاہر ہے عقل ہی ہو سکتی ہے ۔ چنانچہ کانفرنس کے پہلے کھلے اجلاس میں موضوع بحث تھا ۔ اسلام میں عقل کا کردار (ROLE OF REASON IN ISLAM) دوسرا مسئلہ جس سے آج نہ صرف دنیائے اسلام بلکہ پوری دنیا نمٹنے کے لئے کوشاں ہے اور ساری انسانیت کے مستقبل کا اسی پر انحصار ہے، وہ ہے عالمی امن کا مسئلہ ۔ اسلام عالمی امن کے قیام میں کس طرح ممد و معاون ہو سکتا ہے ۔ کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں اس پر تبادلۂ خیالات کیا گیا ۔

اس وقت مسلمان سیاسی آزادی کے حصول کے بعد اپنے اپنے ملکوں کی تعمیر و ترقی کی جد و جہد میں مصروف ہیں۔ اور اُن کے ہاں نئی نئی اقتصادی و معاشرتی قوتیں اُبھر رہی ہیں۔ ان قوتوں سے کس طرح کام لیا جائے کہ اُن کے نتائج مادی لحاظ سے بھی مفید ہوں اور اسلام کے اخلاقی و نظریاتی مقاصد سے بھی ہم آہنگ، اس کے لئے عدل اجتماعی (SOCIAL JUSTICE) کا تعین کرنا ہوگا۔ اسلام کے نزدیک عدل اجتماعی کی کیا حدود ہیں اور وہ اقتصادی و معاشرتی قوتوں میں کس طرح توازن پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ موضوع تھا کانفرنس کے تیسرے کھلے اجلاس کا۔

جہاں تک کمیٹیوں کی کارگزاری کا تعلق ہے۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ان میں جن مسائل پر غور کیا گیا، اُن کے بارے میں ہر نقطۂ نظر پوری آزادی سے سامنے آیا۔ اور خاص طور سے عائلی قوانین اور بنک کاری و انشورنس کے متعلق علماء کرام کی آراء قلم بند کر لی گئی ہیں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم ان سب آراء سے فائدہ اُٹھائیں گے اور ہمارے سامنے جو اصل مقصود یعنی اسلامی معاشرہ کی بھلائی اور بہبود ہے۔ اُس کے حصول میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے بتایا کہ اس کانفرنس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اسلامی دنیا اور دوسرے ممالک کے اتنے علماء، فضلاء اور اربابِ علم و فکر یہاں جمع ہوئے۔ انہیں باہم تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ اور اُنہوں نے اہم مسائل پر غور و خوض کیا۔ اس کانفرنس میں مسلمان ممالک کے درمیان علمی، ثقافتی اور اقتصادی روابط اُستوار کرنے کے بارے میں بھی سوچ بچار کی گئی ہے۔

آخر میں ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے ڈائرکٹر نے بتایا کہ کانفرنس کی ساری کارروائی ٹیپ ریکارڈ کر لی گئی ہے۔ اور مندوبین کانفرنس نے جو بھی مقالات لکھے ہیں، وہ سب ادارۂ تحقیقات اسلامی کی طرف سے کتابی شکل میں شائع کئے جائیں گے۔

ایرانی مندوب ڈاکٹر سید حسین نصر نے دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے مندوبین کی طرف سے کانفرنس کے داعی ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کا شکریہ ادا کیا، آپ نے فرمایا کہ اسلام کو خواہ کتنا بھی قومیانے (NATIONALISE) کی کوشش کر لی جائے، وہ بہرحال بین الاقوامی دین ہی رہے گا۔ اسلام ایک چھاتا ہے، جو ہم سب کو اپنے نیچے لئے ہوئے ہے لیکن بدقسمتی سے صدیوں کے اختلافات

اور علیحدگی نے ہمیں الگ الگ کر دیا ہے۔

ڈاکٹر نصر نے کہا کہ اسلام ایک طریقہ حیات ہے، محض زبانی دعووں کا نام نہیں، آج ہمارے ہاں قول وعمل میں جو تفاوت ہے، اُسے ختم کرنا چاہیئے۔ یہ نفاق ہے اور یہ بڑی لعنت ہے۔ آپ نے مسلمانوں کے درمیان عقلی وفکری تعاون پر زور دیا۔ اور کہا کہ اسلامی علوم وفنون پر تحقیقات کرنے والے ادارے قائم ہونے چاہئیں، جہاں نوجوان اہلِ علم کی تربیت ہو۔

پاکستانی مندوبین کی طرف سے مؤتمر عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل انعام اللہ خان نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے بورڈ آف گورنرز کے چیئرمین سیّد محمد ظفر صاحب وزیر قانون و پارلیمانی امُور نے کانفرنس کے مندوبین کا شکریہ ادا کیا، اور گزشتہ چار پانچ دن تک اُس کی جو سرگرمیاں رہیں، اُن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس دَوران میں بہت سے مندوبین سے جو دوسرے ملکوں اور خود پاکستان سے تشریف لائے، ملا۔ اور اُن سے مجھے تبادلۂ خیالات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اِس وقت اسلام اور مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہیں، اُنہیں کس طرح حل کیا جا سکتا ہے، اُن کے بارے میں مجھے ان حضرات کے نقطہ ہائے نظر اور افکار معلوم ہوئے، اور میں نے ان سے بہت فائدہ اُٹھایا۔ میں نے کانفرنس میں جو کچھ دیکھا اور سُنا اور شرکاء کانفرنس کی باتوں سے جو میرے ساتھ ہوئیں۔ اُن سب سے میں نے یہ تاثر لیا ہے کہ اسلام کی دنیا آگے کو بڑھنے کے لئے بے تاب ہے۔

اس کے بعد سید محمد ظفر صاحب نے وہ اعلان (GENERAL DECLARATION) پڑھا، جو انٹرنیشنل اسلامی کانفرنس کی طرف سے جاری کیا گیا۔ اس اعلان کے جستہ جستہ حصے درجِ ذیل ہیں:۔

چودہ سو سال پہلے ظہورِ اسلام کی بدولت پوری انسانیت کے لئے مساوات، اخوت اور عدل اجتماعی کے ایک نئے اور شاندار دَور کا آغاز ہوا۔ اور یہ کہ یہی اسلام کا اصل جوہر، روح اور محرکی قوت تھی، جس نے اِس طویل مدت میں دنیا بھر کے مسلمانوں کو سہارا دیا۔ اُن کی رہنمائی کی اور اُنہیں برابر متاثر کیا۔ نیز یہ کہ دنیا بھر کے مسلمان نسل، زبان، قومیت اور رنگ کے اختلافات کے باوجود اسلام

کے اعلیٰ وارفع اور دیرینہ رشتوں میں ناقابلِ تنسیخ طور پر مربوط ہیں ۔ چنانچہ اس کے پیش نظر اس کانفرنس کی ۔ جس نے کہ اُن مسائل کا جو آج دنیائے اسلام کو درپیش ہیں، اور اُس ذمہ داری کا جو عصر حاضر کی اسلامی فکر کے رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے، بڑی احتیاط سے جائزہ لیا ہے ۔ یہ رائے ہے کہ ٹیکنیکل اور سائنسی علم، عمرانی علوم اور اقتصادی اُصولوں، اور عقل و دانش کے تقاضوں نے یہ لازمی کر دیا ہے کہ ہم اس زمانے میں مسلمانوں کی صرف مادی و معنوی ترقی کی اصطلاحات میں ہی نہ سوچیں ۔ بلکہ اُس نئے دَور میں جو نزولِ قرآن کی اس چودہ سو سالہ تقریب سے اب شروع ہوتا ہے، بسرعت تمام آگے بڑھنے کے لئے زمین ہموار کریں ۔

یہ کانفرنس تجویز کرتی ہے کہ اسلامی فکر کی ترقی کو، سختی سے قرآن مجید کی حدود کے اندر رہتے ہوئے، اُس دَور کے لئے راہ ہموار کرنی چاہیئے جس میں مسلمان آگے بڑھ کر امن و خوش حالی ۔ فوجی تحفظ اور اُن حقوق و مراعات سے جو قرآن مجید کی تعلیمات و ارشادات سے ثابت ہیں، متمتع ہو سکیں ۔ چنانچہ یہ کانفرنس اب پہلے سے کہیں زیادہ اس پر یقین رکھتی ہے کہ مُسلم معاشرے کے عام افراد کا سائنس اور ٹیکنالوجی کو ضروری اہمیت دیتے ہوئے اسلام کا عقل و دانش کے ذریعہ مطالعہ مسلمانوں کی ترقی کے اس دَور کو قابلِ حصول بنانے کے لئے ایک ضروری شرط ہے ۔ اور پوری دنیائے اسلام میں اس بنیادی اُصول پر عمومی اتفاق پایا جاتا ہے ۔

جموں و کشمیر، فلسطین، قبرص، اریٹیریا اور سالی لینڈ میں مسلمانوں کو جو بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے، اُن کی طرف مسلمان حکومتوں کی توجہ مبذول کرائی گئی ۔ اس اعلان میں مندرجہ ذیل سفارشات کی گئیں :۔

۱ ؛ مسلمان ملکوں میں طالب علموں، اُستادوں، اہلِ قلم اور علماء کا باہم تبادلہ ہو ۔

۲ ؛ کتابوں، نادر قلمی مسودات، رسائل اور مطبوعہ مواد کا باہم تبادلہ ہو ۔

۳ ؛ ایک عالمی اسلامی نیوز ایجنسی قائم کی جائے ۔

۴ ؛ مسلمان ملکوں میں اسلامی افکار و علوم کی تحقیق کے لئے اسلامی تحقیقات کے ادارے قائم ہوں، جو آپس میں تعاون کریں ۔

۵ ؛ وہ غیر مسلم ممالک جہاں ابھی ابھی اسلامی تعلیمات کے متعلق دلچسپی پیدا ہو رہی ہے، جیسے جاپان اور

کوریا۔ دولت مند مسلمان ملک وہاں کے طلبہ کو جو اسلام کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں وظائف دینے کا انتظام کریں۔

آخر میں کانفرنس کی طرف سے اس میں تمام شریک ہونے والوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ انفرادی طور پر، اپنی تنظیموں اور اپنی حکومتوں کے ذریعہ ان متعدد سفارشات کو جو کانفرنس میں بالاتفاق ارتقا پذیر ہوئی ہیں، عملی جامہ پہنانے کی مسلسل جدوجہد کریں اور خاص کر قرآنی نظامِ حیات کو فروغ دینے میں ساعی ہوں تاکہ اس طرح اتحادِ اسلامی وجود میں آ سکے۔

کانفرنس کے آخری اجلاس میں سب سے آخر میں اجلاس کے صدر جناب خواجہ شہاب الدین صاحب وزیرِ اطلاعات و نشریات نے اپنا مقالہ پڑھا۔ آپ نے کہا: "قرآن کریم نے ملتِ اسلامیہ کو خیرِ اُمّۃ قرار دیا تھا۔ اسے اُمّۃ وّسطیٰ کہہ کر شھداء علی الناس کا عظیم فریضہ اس کے سپرد کیا تھا۔ اس فریضہ کی ادائیگی اسی صورت میں ممکن تھی کہ اقوامِ عالم میں اس کا مقام بلند ہو۔"

خواجہ صاحب نے فرمایا: "لیکن اس اُمت کی اب حالت کیا ہے۔" آپ نے بتایا: "جس جگہ ہماری آزاد مملکتیں ہیں، وہ بالعموم غیر مسلموں کے مقابلے میں کمزور اور بیشتر معاملات میں اُن کی دستِ نگر ہیں۔ دنیا کے جن ممالک میں مسلمان اور غیر مسلم ملے جلے رہتے ہیں، وہاں بھی مسلمان غیر مسلموں سے دبے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہاں اختیار و اقتدار سب غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے .... اور جہاں مسلمان محکوم ہیں، وہاں نہ اُن کی جان محفوظ ہے نہ مال۔ نہ عزت محفوظ ہے نہ عصمت۔ نہ اُن کی عبادت گاہیں محفوظ ہیں نہ درس گاہیں۔ وہ ہر وقت ڈرے سہمے غیر مسلموں کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرتے ہیں۔"

اس کے بعد خواجہ صاحب نے سوال کیا کہ ایسا کیوں ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ مذہب پرست طبقے کی طرف سے اس سوال کا مجھے ہر مقام پر یہی جواب ملا ہے:۔

"مسلمان اس لئے ذلیل و خوار ہے کہ اُس نے مذہب کو چھوڑ دیا ہے۔"

اور مزید تفصیل یہ بتائی گئی کہ "مغرب کی تعلیم نے قوم کو لامذہب بنا دیا ہے۔ یہ سب مغرب زدہ ہو گئے ہیں۔ کلبوں میں جاتے ہیں۔ وہاں ناچتے کودتے ہیں۔ اُن کی بیویاں پردہ نہیں کرتیں۔ سینما جاتی

ہیں۔ وقس علیٰ ھذا۔"

خواجہ صاحب نے بتایا کہ میں اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ کیوں کہ "اوّل تو یہ کہ جن مغربی اقوام کا اس طرح ذکر کیا جاتا ہے، وہ ان تمام خرابیوں کے باوجود ہم سے کہیں زیادہ صاحبِ قوت و اقتدار ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ خود مسلمانوں کا وہ طبقہ جن میں یہ خرابیاں نہیں، اُن کی حالت بھی کون سی اچھی ہے۔"

خواجہ صاحب کے نزدیک اس سوال کے جواب کے لئے زیادہ گہرائی میں جانے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں اُنہوں نے کہا:۔

"حضور نبی کریمؐ نے مدت العمر تک قرآنی تعلیم کی تبلیغ کی۔ اس کے مختلف گوشوں کو بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا، لیکن اس کے بعد آپؐ نے اپنے مخاطبین سے کہا انما اعظکم بواحدۃ۔ میں تم سے صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں .... وہ ایک بات جو اس قدر اہم تھی ایک فقرہ میں بھی نہیں بلکہ ایک لفظ میں سمیٹ کر بیان کر دی جب کہا تھا ثم تتفکروا۔ تم سوچو۔ غور کرو۔ یہ تھی اُمتِ محمدیہ کی ساری کامیابیوں کی کلید۔ فکر و تدبر، غور و خوض۔ ہر معاملے میں سوچ سمجھ سے کام لینا۔ جب یہ اُمت فکر و تدبر سے کام لیتی تھی تو اُسے زندگی کی ساری خوش گواریاں اور سرفرازیاں حاصل تھیں۔ جب اُس نے فکر و تدبر سے کام لینا چھوڑ دیا تو احسن تقویم کے مقامِ بلند سے گر کر اسفل سافلین کی پستیوں میں جا پہنچی۔"

خواجہ صاحب نے فرمایا۔ انسان اور حیوان میں تو صرف عقل و فکر ہی کا فرق ہے۔ اور جو لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لیتے، "وہ انسانی پیکروں میں حیوان ہیں، جن کے متعلق قرآن کریم نے کہا ہے کہ جب اُنہیں عقل و فکر سے کام لے کر صحیح راہ اختیار کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں عقل و فکر سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ انا وجدنا اٰباءنا علیٰ اُمّۃ وانا علیٰ اٰثارھم مقتدون۔ ہم نے اپنے اسلاف کو جس راستے پر پایا ہے، ہم اس راستے پر چلتے رہیں گے۔ یہی صواب کی راہ ہے۔"

خواجہ صاحب نے علمائے کرام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ کیا ہماری بھی بعینہٖ یہی حالت نہیں۔ ہم نے صدیوں سے غور و فکر کی راہیں اپنے اوپر بند کر رکھی ہیں۔ اور عقل و بصیرت کے چراغ گُل کر کے تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ عقل و فکر سے کام نہ لینے کا نتیجہ تھا کہ ہم نے اپنے آپ کو صحیح علم سے بھی محروم کر دیا۔ آپ نے فرمایا۔ قرآن کریم کی رو سے علم وہ ہے جس میں انسان اپنے سمع و بصر

اور فکر سے کام لے۔ سمع و بصر یعنی انسانی حواس خارجی کائنات کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچاتی ہیں۔ اور ان معلومات کو سامنے رکھ کر انسان کا ذہن ایک نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ یہی وہ علم ہے جسے آج کی اصطلاح میں علم الاشیاء یا علوم سائنس کہا جاتا ہے۔ اور قرآن مجید میں انہی علوم کے ماہرین کو العلماء کہہ کر پکارا گیا ہے۔

خواجہ صاحب نے اس کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات پیش کیں۔ اور اس کے بعد فرمایا:۔

"یورپ کے اربابِ فکر و نظر نے ان آیاتِ خداوندی پر غور و فکر کیا تو فطرت کی عظیم اور مہیب قوتیں ان کے تابع ہو گئیں اور یہی وہ قوتیں ہیں جن کے بل بوتے پر اُنہوں نے تمام اقوام عالم پر اپنے غلبہ و تسلط کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہم نے ان حقائق کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور نظری بحثوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ یہ زمین اپنی حدود فراموش وسعتوں کے باوصف ہم پر تنگ ہو گئی"۔

اُنہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ قرآن کے وارث ہم اپنے آپ کو سمجھتے ہیں، لیکن اس کی حکمتوں پر عمل اہل مغرب کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی خواجہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اقوامِ مغرب نے قانونِ خداوندی کے صرف اس حصے پر عمل کیا جس کا تعلق خارجی کائنات سے تھا۔ اور وحی کے اُس حصے کو چھوڑ دیا، جس کا تعلق خود انسانی معاملات سے تھا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس قدر بے پناہ قوتوں کو مسخر کر لینے کے باوجود سکھ کی نیند نہیں سو سکیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اُن کا تسخیرِ کائنات کا عمل غلط اور باطل تھا"۔

خواجہ صاحب کے الفاظ میں:۔

"اسلام کا مقصود یہ ہے کہ کائنات کی قوتوں کو مسخر کر کے اُن کے ماحصل کو وحی کی عطا کردہ مستقل اقدار کے مطابق نوعِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے صرف کیا جائے۔ اب ظاہر ہے کہ جو قوم فطرت کی قوتوں کو مسخر نہیں کرے گی۔ اُس کے لئے دین پر عمل پیرا ہونے کا امکان ہی نہیں ہوگا"۔

اس لئے ہمیں علم کے متعلق اپنے تصور کو بدل کر اُسے قرآنی تصور سے ہم آہنگ کرنا چاہیئے۔

خواجہ صاحب کے مقالے کا ایک مبحث یہ تھا۔ اور دوسرا مبحث جس پر اُنہوں نے گفت گو فرمائی۔ وہ دین اور شرع کا فرق ہے۔ اُنہوں نے کہا:۔

"قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ دین، جو مختلف انبیاء کرام کی وساطت سے دنیا کو ملتا رہا، وہ شروع

سے آخیر تک ایک ہی تھا۔ لیکن شرع دین ہر زمانے میں بدلتی رہی۔ دین سے مراد ہیں وہ اُصولِ حیات جو فرد اور معاشرے کے لئے زندگی کی اساس قرار پاتے ہیں اور شرع دین وہ طور طریق ہے جس کے مطابق دین کے ان اُصولوں پر عمل کیا جاتا ہے۔ دین کے اُصول زمان و مکان کے تغیرات سے ماوراء ہوتے ہیں، لیکن ان اُصولوں پر عمل کرنے کے اسلوب و انداز زمانے کے تقاضوں کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں ——"

خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اُمت کے لئے رسولِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عمل اسوۂ حسنہ قرار پایا تھا کہ دین کے اُصول غیر متبدل ہوتے ہیں اور اُن پر معاشرے کے حالات و مقتضیات کے مطابق عمل کیا جاتا ہے، لیکن بعد میں بدقسمتی سے سمجھ یہ لیا گیا کہ " وہ طور طریق جن کے مطابق کسی خاص زمانے کے معاشرہ کے مقتضیات کے مطابق دین کا نظام قائم کیا گیا تھا، دین کے اُصولوں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل ہیں۔ نتیجہ اُس کا یہ ہے کہ زمانے کے مقتضیات کہیں سے کہیں جا پہنچے ہیں۔ اور ہم صدیوں پیچھے کے ماحول میں جکڑ کر رہ گئے ہیں "

اُنھوں نے کہا کہ اگر مسلمانوں کی حکومتیں اپنے ہاں قدیم احکام فقہ نافذ نہیں کرتیں تو اس کی بیشتر وجہ اُن کی عملی دشواری ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جامد فقہی قوانین کو شدت سے عین اسلام قرار دینے کا دوسرا نتیجہ جو زیادہ نقصان دِہ ہے۔ یہ بھی ہے کہ " جب ہماری نئی نسل کے تعلیم یافتہ طبقہ کے سامنے ان ضوابط و احکام کو عین اسلام بنا کر پیش کیا جاتا ہے، تو وہ سرے سے اسلام ہی سے بھاگنے لگتے ہیں "

اسی سلسلے میں خواجہ صاحب نے یہ بھی کہا کہ " ہم نے ماضی پرستی کا یہ جمود آفرین مسلک فقہی احکام تک محدود نہیں رکھا۔ ہم نے تو اپنی تاریخ تک کو ایسی الوہیاتی سند عطا کر رکھی ہے کہ اُسے تنقیدی نگاہ سے دیکھنا تک معصیت کبیرہ سمجھا جاتا ہے " اُنھوں نے فرمایا کہ ہماری اس تاریخ میں ایسا مواد بھی موجود ہے، جس سے حضور صلعم کی سیرتِ طیبہ بھی (معاذاللہ) داغدار ہو کر سامنے آتی ہے اور صحابہ کرام کی سیرت پر بھی طعن پڑتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس تاریخ کو قرآن مجید کی کسوٹی پر پرکھ کر اس کی از سرِ نو تدوین کی جائے۔

مقالے کے آخر میں آپ نے پھر اپنے مطالب کو ان الفاظ میں دہرایا:-

۱ : ہمیں اپنے نظام تعلیم کو اس طرح بدلنا چاہیئے کہ اس میں علوم سائنس کو تقدم حاصل ہو۔ اور اس کے ساتھ طلبہ کے ذہن میں مستقل اقدار اس طرح راسخ کر دی جائیں کہ وہ فطرت کی قوتوں کے ماحصل کو منشائے خداوندی کے مطابق صرف کرنے کے قابل بن جائیں۔ یہی میرے نزدیک ایک عبد مومن کا صحیح مقام اور فریضہ ہے۔

۲ : ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآن مجید کے ناقابلِ تغیر اصول و احکام کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی فقہ کی اس طرح تدوین کریں کہ وہ منشائے خداوندی کے مطابق عصرِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ اس سے ہم اقوام عالم کی امامت کے مستحق قرار پا جائیں گے۔ جو اُمتِ مسلمہ کا صحیح مقام ہے۔

۳ : ہم قرآن مجید کو معیار قرار دے کر اپنے قرنِ اوّل کی تاریخ کی اس طرح از سرِ نو تدوین کریں کہ اس سے وہ تمام غلط اور وضعی روایات خارج ہو جائیں، جن سے ہماری برگزیدہ ہستیوں کا دامنِ تقدیس داغدار ہوتا ہے۔

خواجہ صاحب نے اپنا مقالہ علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے ساتھ ختم کیا ؎

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

---

۱۳ فروری کی دوپہر کو بین الاقوامی اسلامی کانفرنس اختتام پذیر ہوئی۔ کانفرنس کے چاروں دنوں میں مندوبین کے اعزاز میں برابر تقریبات ہوتی رہیں۔ بعد ازاں بہت سے مندوبین منگلا ڈیم دیکھنے تشریف لے گئے۔ وہاں سے وہ لاہور، ڈھاکہ اور کراچی گئے، اور بعض پشاور بھی تشریف لے گئے۔ ان تمام شہروں میں اُن کے اعزاز میں دعوتیں ہوئیں۔ اور اُنہوں نے وہاں علمی مجمعوں کو مخاطب کیا، جہاں بھی مندوبین حضرات تشریف لے گئے، وہاں کے علمی و دینی حلقوں میں اُن کا بڑا پُرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔

کانفرنس کی جملہ کارگزاریوں کی خبریں اور اُس میں جو مقالات پڑھے گئے اور تقریریں کی گئیں، وہ سب کافی تفصیل سے تمام اخبارات میں چھپتی رہیں۔ راولپنڈی میں اس منعقدہ کانفرنس کی طرح

ڈھاکہ کے اسلامی ریسرچ ادارے کے زیرِ اہتمام بھی ایسے ہی ایک اجتماع کا انتظام کیا گیا۔ جس میں دوسرے ملکوں کے آئے ہوئے بہت سے مندوبین نے تقریریں کیں۔ لاہور، پشاور اور خاص کر کراچی میں بھی کئی ایک مندوبین حضرات تشریف لے گئے اور وہاں اُن کی تقریریں ہوئیں۔ جن کا اخبارات میں بڑا چرچا ہوا ——— غرض ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کی بلائی ہوئی اس بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے اثرات پورے ملک تک پہنچے اور تقریباً دو ہفتے تک اس کانفرنس اور اُس کے مدعوکردہ مندوبین کی خبریں قومی صحافت میں بڑے اہتمام سے چھپتی رہیں۔ اُمید ہے پاکستان کی دینی و ملی زندگی پر اس عالمی اسلامی اجتماع کے دوررس اثرات پڑیں گے اور ہمارے فکر و عمل میں ایک تازگی آئے گی۔

———○———

مرکزی جمعیت اہل الحدیث پاکستان کے امیر اور ملک کے ممتاز عالمِ دین شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے افسوس ناک سانحۂ ارتحال کا صدمہ تمام دینی و علمی حلقوں میں بڑی شدت سے محسوس کیا گیا ہے۔ مولانا مرحوم کی ایک فعال شخصیت تھی۔ جہاں وہ عمر بھر درس و تدریس۔ وعظ و ارشاد اور اصلاح و تعمیر کے ذریعہ حقیقی و مؤثر دینی خدمات انجام دیتے رہے، وہاں وہ قومی و ملی معاملات میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہے۔ مولانا مرحوم کا سب سے قابلِ تعریف وصف اُن کی رواداری اور ذہنی و علمی توازن تھا۔ وہ اہلِ حدیث کے نامور عالم ہونے کے باوجود فرقہ واریت سے بالکل پاک تھے۔ اور تمام مسلمانوں کی فلاح و بہبود برابر اُن کے پیشِ نظر رہتی تھی۔ اُن کے انتقال سے پاکستان کے ممتاز ترین علماء دین کی صفوں میں ایک ایسی جگہ خالی ہوگئی ہے جو مشکل ہی سے بھری جا سکے گی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ دارالآخرۃ میں اُنہیں اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازے گا اور اُنہیں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے گا۔

———○———

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے دفاتر لال کرتی راولپنڈی سے اسلام آباد منتقل ہوگئے ہیں۔
اب ماھنامہ "فکر و نظر" کا پتہ یہ ہے:۔
اسلام آباد (راولپنڈی)۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵